کلمہ حق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی نظام تعلیم میں اصلاح احوال کی ضرورت اور حکمت عملی

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد نے ۳ اگست ۲۰۰۰ء کو "دینی مدارس، درپیش چیلنجز" کے عنوان سے ایک "مجلس مذاکرہ" کا اہتمام کیا جس میں ملک کے منتخب ارباب علم و دانش نے شرکت کی اور دینی مدارس کے حوالہ سے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا۔ مجلس مذاکرہ کی تین نشستیں ہوئیں۔ پہلی نشست کی صدارت اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر ایس ایم زمان' دوسری نشست کی صدارت قومی اسمبلی کے سابق رکن مولانا گوہر رحمان اور تیسری نشست کی صدارت نیشنل سیکیورٹی کونسل کے رکن ڈاکٹر محمود احمد غازی نے کی۔ مجلس مذاکرہ کی کاروائی مجموعی طور پر تقریباً سات گھنٹے جاری رہی اور اس میں مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کرنے والوں میں پروفیسر خورشید احمد' مولانا عبد المالک خان' ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی' ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی' پروفیسر افتخار احمد بھٹہ' ڈاکٹر محمد میاں صدیقی' مولانا محمد صدیق ہزاروی' مولانا محمد حنیف جالندھری' سید ریاض حسین نقوی' جناب خالد رحمٰن' ڈاکٹر ممتاز احمد اور مولانا سید معروف شاہ شیرازی بطور خاص قابل ذکر ہیں جبکہ ڈاکٹر خالد علوی اور پروفیسر یاسین ظفر صاحب کے مضامین پڑھ کر سنائے گئے اور دیگر شرکاء میں ڈربن یونیورسٹی (جنوبی افریقہ) کے شعبہ اسلامیات کے سابق سربراہ پروفیسر ڈاکٹر سید سلمان ندوی نمایاں تھے جو تحریک پاکستان کے عظیم راہنما حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں۔ مجلس مذاکرہ میں راقم الحروف کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی گئی اور راقم الحروف نے "دینی نظام تعلیم! اصلاح احوال کی ضرورت اور حکمت عملی" کے عنوان سے اپنی گزارشات تحریری صورت میں پیش کیں جو ان گزارشات کے ساتھ ہی قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ ان معروضات کو کم و بیش سب شرکاء نے پسند کیا اور پروفیسر خورشید احمد صاحب نے اعلان کیا کہ انہی گزارشات کو "مجلس مذاکرہ" کی مجموعی سفارشات کی حیثیت دی جا رہی ہے۔

مجلس مذاکرہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے مقررین نے جن خیالات کا اظہار کیا' ان میں معاشرہ میں دینی حمیت کو باقی رکھنے اور اسلامی علوم و روایات کے تحفظ میں دینی مدارس کے کردار کا اعتراف نمایاں تھا اور دینی مدارس کی آزادی اور خود مختاری کے تحفظ کے لیے بھی سب حضرات کے جذبات یکساں تھے البتہ اس کے ساتھ آزادانہ کردار اور خود مختاری کو برقرار رکھتے ہوئے دینی مدارس کے نظام و نصاب میں دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق اصلاح و ترمیم کی ضرورت کی طرف اکثر حضرات نے توجہ دلائی اور دینی مدارس کے وفاقوں پر زور دیا کہ وہ اس ضرورت کا احساس کریں اور دینی مدارس کے معاشرتی کردار کو زیادہ موثر بنانے کے لیے بہی خواہ اور مخلص حلقوں کی طرف سے پیش کی جانے والی سفارشات و تجاویز کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیں۔

بعض ارباب دانش نے اس نکتہ کی طرف بھی توجہ دلائی کہ ملک کے نظام کو چلانے اور صالح رجال کار فراہم کرنے کے لیے دینی مدارس پر جو زور دیا جا رہا ہے اس کی اصل ذمہ داری تو ریاستی نظام تعلیم پر عائد ہوتی ہے جبکہ نصف صدی گزر جانے کے باوجود ریاستی نظام تعلیم میں کوئی مقصدی تبدیلی سامنے نہیں آئی اور ملک کے ریاستی نظام تعلیم کے ارباب حل و عقد سرے سے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کر رہے بلکہ اگر ملک کے مروجہ سرکاری نظام تعلیم میں اسلامی مقاصد اور ضروریات کو شامل کرنے کی طرف کسی جانب سے توجہ دلائی جاتی ہے تو اسے یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین جناب ڈاکٹر ایس ایم زمان کا یہ انکشاف بطور خاص قابل توجہ ہے کہ انہوں نے کچھ عرصہ قبل لاء گریجویٹس کے لیے ایل ایل بی کے نصاب میں اسلامی قوانین کے اضافہ اور نصاب کا دورانیہ دو سال کی بجائے تین سال کر دینے کی تجویز پیش کی مگر ان سفارشات کا جائزہ لینے والی کمیٹی نے جس میں متعدد لاء کالجز کے پرنسپل حضرات بھی شامل تھے کورس کا دورانیہ دو سال سے تین سال کرنے کی تجویز تو منظور کر لی مگر اسلامی قوانین کے جس نصاب کو اس میں شامل کرنے کی سفارش کی گئی تھی اس کا بمشکل پانچ فی صد حصہ کورس میں شامل کرنے پر رضامندی ظاہر کی گئی' اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ملک کے مروجہ نظام تعلیم کو اسلامی مقاصد و ضروریات کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اس نظام تعلیم کے کارپردازان کی دلچسپی کا عالم کیا ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مولانا گوہر رحمان نے زیادہ زور دے کر یہ بات کہی کہ دینی مدارس کے نصاب میں ضروری اصلاحات سے ہمیں انکار نہیں اور ہم بتدریج ایسا کر بھی رہے ہیں لیکن اس سے بات نہیں بنے گی اور ملک کے سیاسی' انتظامی' عدالتی اور عسکری شعبوں کو دینی لحاظ سے تربیت یافتہ افراد کار مہیا کرنے کا مقصد پورا نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے ملک کے ریاستی نظام تعلیم میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے اور سرکاری نصاب تعلیم کو مکمل طور پر تبدیل کر کے اسے قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالنا ضروری ہے

کیونکہ یہ ذمہ داری بنیادی طور پر اسی نظام کی ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس نظام میں تبدیلی کی طرف تو کوئی توجہ نہیں دلا رہا اور دینی مدارس کے نظام و نصاب میں تبدیلی کے لیے چاروں طرف سے شور مچایا جا رہا ہے' بعض مقررین نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ دینی مدارس کے طلبہ اور عصری کالجز کے طلبہ میں اجنبیت کو دور کرنے کے لیے سنجیدہ اقدامات کی ضرورت ہے اور اس کے لیے اس نوعیت کے پروگراموں کا اہتمام ہونا چاہیے کہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ' عصری کالجوں میں جا کر جدید علوم کی تعلیم حاصل کر سکیں اور کالجوں کے فاضل نوجوانوں کو دینی مدارس میں جا کر درس نظامی کا کوئی مختصر کورس کرنے کی سہولت حاصل ہو۔ اس کے علاوہ طلبہ کے وفود کے باہمی تبادلہ' تعلیمی اداروں کے دوروں اور مشترکہ مجالس کے اہتمام کے ساتھ بھی اس سلسلہ میں موثر پیش رفت ہو سکتی ہے۔ مجلس مذاکرہ میں دینی مدارس کے دائرہ میں وسعت اور پھیلاؤ کا بھی ذکر کیا گیا کہ مختلف اطراف سے مخالفت کے باوجود دینی مدارس کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور طلبہ و طالبات کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ ایک مقرر نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ ریاستی نظام تعلیم اپنے مقاصد کے حوالہ سے ناکام ہو چکا ہے کیونکہ لاکھوں ڈگری یافتہ افراد بے روزگاری کا شکار ہیں اس لیے اب نوجوان ادھر سے مایوس ہو کر دینی تعلیم کی طرف آ رہے ہیں تاکہ اگر دنیا کا فائدہ نہ ہو تو کم از کم دین تو ہاتھ میں رہے' انہوں نے کہا کہ خود ان کی زیر نگرانی ایک ہائی سکول سے گزشتہ سال بیس طالبات نے میٹرک پاس کیا جن میں سے صرف پانچ طالبات کالج میں گئی ہیں جبکہ باقی پندرہ طالبات نے مزید تعلیم کے لیے دینی مدارس کو ترجیح دی ہے۔

مجلس مذاکرہ میں پاکستان میں دینی مدارس کی تعداد کے بارے میں ایک سروے رپورٹ بھی پیش کی گئی جس میں بتایا گیا کہ وفاقی وزارت تعلیم کی سروے مہم کے نتیجہ میں جو معلومات سامنے آئی ہیں ان کے مطابق ملک میں دینی مدارس کی تعداد اس وقت ساڑھے چھ ہزار سے زیادہ ہے جن میں مجموعی طور پر ساڑھے دس لاکھ کے قریب طلبہ اور طالبات قرآن و سنت' فقہ اسلامی اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان مدارس میں اساتذہ کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ ہے جبکہ دینی تعلیم حاصل کرنے والی طالبات کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے اور بیرونی ممالک کے اٹھائیس ہزار کے قریب طلبہ ان مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ سروے رپورٹ کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ محکمہ تعلیم کی طرف سے ان مدارس کی امداد کے لیے جو رقم مختص کی جاتی ہے اس کا آغاز ایک لاکھ روپے سالانہ سے ہوا تھا اور اب یہ پندرہ لاکھ روپے سالانہ تک جا پہنچی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ دلچسپ واقعہ بھی بتایا گیا کہ جس دور میں سید فخر امام صاحب وزیر تعلیم تھے دینی مدارس کی امداد کے لیے محکمہ تعلیم کی طرف سے دس لاکھ روپے کی منظوری دی گئی اور وزارت کے افسران کے ایک اجلاس میں وفاقی وزیر تعلیم کی طرف سے افسران پر زور دیا گیا کہ رقم کی تقسیم میں مدارس کے معیار اور کوالٹی کا لحاظ رکھا جائے۔ اس پر اجلاس میں موجود وزارت تعلیم کے ایک افسر نے وزیر تعلیم موصوف سے گزارش کی کہ جناب والا! اس وقت دینی مدارس میں طلبہ کی جتنی تعداد تعلیم حاصل کر رہی ہے اس کے حساب سے محکمہ تعلیم کی عطا کردہ دس لاکھ روپے کی اس رقم کو تقسیم کیا جائے تو فی طالب علم پچیس پیسے سالانہ بنتے ہیں۔ وزیر تعلیم نے اس کا کوئی جواب نہ دیا مگر ان کا یہ اصرار قائم رہا کہ رقم تقسیم کرتے ہوئے مدارس کے معیار اور کوالٹی کا بہرحال لحاظ رکھا جائے۔

مجلس مذاکرہ میں امریکہ کی ہمپٹن یونیورسٹی کے استاذ محترم ڈاکٹر ممتاز احمد بھی شریک تھے جو جنوبی ایشیا کے دینی مدارس کے بارے میں سروے کر رہے ہیں اور حال ہی میں بنگلہ دیش کا دورہ کر کے واپس آئے ہیں۔ انہوں نے اپنے خطاب میں بنگلہ دیش کے دینی مدارس کے بارے میں اپنی سروے رپورٹ کا خلاصہ پیش کر کے شرکاء محفل کو چونکا دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ بنگلہ دیش میں دینی تعلیم دینے والے مدارس کی تعداد اس وقت اٹھائیس ہزار سے زائد ہے جن میں ساٹھ لاکھ کے لگ بھگ طلبہ اور طالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان میں ساڑھے چھ ہزار مدارس وہ ہیں جو صرف عوامی چندہ سے چلتے ہیں جبکہ ان مدارس کی تعداد بھی کم و بیش اتنی ہی ہے جنہیں حکومت کی طرف سے امداد دی جاتی ہے جو مختلف مدارج میں اخراجات کے اسی فیصد تک جا پہنچتی ہے اور کچھ دینی مدارس ایسے بھی ہیں جو صرف حکومت کے خرچہ پر قائم ہیں۔ اس کے علاوہ مساجد میں قائم ابتدائی دینی مدارس کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس سال بنگلہ دیش کی حکومت نے اپنے بجٹ میں دینی مدارس کے لیے جو رقم مخصوص کی ہے اس کی مقدار پانچ سو کروڑ ٹکہ (پانچ ارب ٹکہ) ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد شیخ مجیب الرحمن کی حکومت نے ان دینی مدارس کو بند کرنے کا پروگرام بنایا تھا ان مدارس پر الزام تھا کہ انہوں نے پاکستان کی حمایت کی ہے اور ان مدارس سے فارغ ہونے والے علماء بنگلہ قومیت کی بجائے اسلام کی بات کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ایک کمیشن قائم کیا گیا جس نے رپورٹ میں یہ سفارش کر دی کہ ان مدارس کو بند کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی مجیب حکومت نے ایک عوامی سروے کا بھی اہتمام کیا جس کی رپورٹ حیران کن تھی کیونکہ اس کے مطابق ملک کے نوے فی صد عوام نے جن میں جدید پڑھے لکھے حضرات کی اکثریت تھی دینی مدارس کو بند کر دینے کی تجویز کی سختی کے ساتھ مخالفت کی تھی اور حکومت سے کہا تھا کہ وہ دینی مدارس کے ساتھ کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد نے بتایا کہ اس سلسلہ میں بنگلہ دیش کے عوامی حلقوں میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اسی دوران ایک روز مولانا عبد الحمید بھاشانی نے شیخ مجیب الرحمن کی گاڑی کو ایک

سڑک پر جاتے ہوئے راستہ میں رکوا کر ان سے کہا کہ آپ کی بہت سی باتیں میں برداشت کرتا رہا ہوں اور اب بھی کر رہا ہوں مگر دینی مدارس بند کرنے کی بات برداشت نہیں کروں گا اور اگر اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھایا گیا تو اس کی مزاحمت کے لیے میں خود میدان میں آؤں گا۔ چنانچہ شیخ مجیب الرحمٰن نے دینی مدارس پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ ترک کر دیا اور بنگلہ دیش میں دینی مدارس پوری آزادی اور پہلے سے زیادہ وسعت کے ساتھ دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ اس موقع پر پروفیسر خورشید احمد نے ترکی کے تجربہ کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ ترکی میں اتاترک کے دور میں دینی مدارس کو بالکل بند کر دیا گیا تھا اور دینی تعلیم ہر سطح پر ممنوع قرار دے دی گئی تھی جو کم و بیش ۳۵ سال تک مسلسل ممنوع رہی جبکہ ساٹھ کی دہائی میں وزیر اعظم عدنان میندرس شہیدؒ نے یہ پابندی اٹھا کر ابتدائی اور ثانوی سطح پر دینی تعلیم کی اجازت دے دی جس کے بعد دینی مدارس قائم ہوئے اور ان دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان سول اور فوج کے مختلف محکموں میں جانے لگے جس کا نتیجہ عظیم فکری اور ذہنی انقلاب کی صورت میں آج ہمارے سامنے ہے کہ ترکی میں اسلامی بیداری کی لہر نے پوری قومی زندگی کا احاطہ کر لیا ہے اور اسی سے پریشان ہو کر سیکولر فوج نے اب پھر ترکی کے مدارس میں قرآن و سنت کی تعلیم کو ممنوع قرار دے دیا ہے لیکن دینی تعلیم کا پہلا دور اپنا اثر دکھا چکا ہے اور ترکی میں اب اسلامی بیداری کو دبانا ممکن نہیں رہا۔

مجلس مذاکرہ کے افتتاحی خطاب میں نیشنل سیکورٹی کونسل کے رکن ڈاکٹر محمود احمد غازی نے بتایا کہ حکومت دینی مدارس کی آزادی اور خود مختاری پر یقین رکھتی ہے اور اس میں کسی قسم کی مداخلت کا پروگرام نہیں ہے۔ البتہ وہ دینی مدارس کے نظام و نصاب میں اس قسم کی ترمیم و اصلاح ضرور چاہتی ہے کہ دینی مدارس کے فضلاء آج کے دور کے تقاضوں کو سمجھیں اور ان سے ہم آہنگ ہو کر آج کے عالمی تناظر میں اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت دینی مدارس کے نظام میں کسی قسم کا دخل دیے بغیر دینی تعلیم کا ایک مستقل بورڈ قائم کرنے اور تعلیمی کونسل تشکیل دینے کا پروگرام بنا رہی ہے جس کے ساتھ رضاکارانہ طور پر منسلک ہونے کی دینی مدارس کو دعوت دی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی حکومت بڑے شہروں میں ماڈل دارالعلوم قائم کرنے کا ارادہ بھی رکھتی ہے جس کے لیے نصاب ترتیب دیا جا چکا ہے اور بہت جلد اس سلسلہ میں عملی پیش رفت کی جا رہی ہے۔

نحمدہ تبارک وتعالیٰ و نصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

محترم پروفیسر خورشید احمد صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے دینی مدارس کے حوالہ سے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد کی مجلس مذاکرہ میں مجھے منتخب ارباب علم و دانش کے ساتھ ملاقات و گفتگو کا موقع فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازیں اور ہماری اس ملاقات و گفتگو کو دین و ملت کے لیے افادیت کا حامل بنا دیں۔ آمین یا رب العالمین۔

جنوبی ایشیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے جن دینی مدارس کے بارے میں آج ہم بحث و گفتگو کر رہے ہیں وہ اس وقت عالمی سطح کے ان اہم موضوعات میں سے ہیں جن پر علم و دانش اور میڈیا کے اعلیٰ حلقوں میں مسلسل مباحثہ جاری ہے اور مغرب اور عالم اسلام کے درمیان تیزی سے آگے بڑھنے والی تہذیبی کشمکش میں یہ مدارس اسلامی تہذیب و ثقافت اور علوم و روایات کے ایسے مراکز اور سرچشموں کے طور پر متعارف ہو رہے ہیں جو مغربی تہذیب و ثقافت کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت اور ایڈجسٹمنٹ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ ملت اسلامیہ کے ایک بڑے اور موثر حصے کو اس بے لچک رویہ اور غیر مصالحانہ طرز عمل پر قائم رکھنے کا باعث بن رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف طبقات اور اداروں میں یہی ادارہ مغرب کی تنقید اور کردار کشی کی مہم کا مرکزی ہدف قرار پایا ہے اور گلوبل سولائزیشن وار میں اس ادارہ کو امت مسلمہ کے سپر انداز ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ گردانتے ہوئے اسے راستہ سے ہٹانے کے مختلف منصوبے وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہتے ہیں اور یہ اسی کا رد عمل ہے کہ دینی مدارس خود کو حالت جنگ میں سمجھتے ہوئے اپنی موجودہ صف بندی میں کسی قسم کے رد و بدل پر آمادہ نہیں ہیں اور ان کے نظام و نصاب میں ترمیم و تبدیلی کی کوئی بھی تجویز ان کے ذہنوں تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں دینی مدارس کے نظام و نصاب میں اصلاح احوال کے حوالہ سے بھی کوئی بات کہتے ہوئے ان کی اس مجبوری کو سامنے رکھنا ہوگا اور ان تحفظات کا لحاظ کرنا ہوگا جن کے باعث دینی مدارس کے ارباب حل و عقد خود کو اردگرد کے ماحول سے بے گانہ رکھنے اور منہ کان لپیٹ کر اس فضا سے گزر جانے پر مجبور پا رہے ہیں۔ اس لیے اپنی گزارشات کو آگے بڑھانے سے قبل دینی مدارس کے تحفظات میں سے دو اہم امور کا تذکرہ اس مرحلہ پر ضروری خیال کرتا ہوں

○ دینی مدارس یہ سمجھتے ہیں کہ معاشرہ میں عام مسلمان کا تعلق دین کے ساتھ قائم رکھنے، دینی علوم کی ترویج و اشاعت اور اسلامی اقدار و روایات کے تحفظ کے لیے ان کے مسلمہ کردار کی اثر خیزی کی اصل وجہ ان کا آزادانہ کردار اور انتظامی و مالی خود مختاری ہے جسے وہ عام مسلمانوں کے رضا کارانہ تعاون کے ذریعہ قائم رکھے ہوئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ سرکاری اور ریاستی اداروں کو کسی بھی درجہ میں دینی مدارس کے نظام میں دخل اندازی کا موقع مل گیا تو وہ اپنے اس کردار یا کم از کم اس کے اثر انداز ہونے کی صلاحیت سے محروم ہو جائیں گے۔

○ دینی مدارس کے ارباب حل و عقد یہ سمجھتے ہیں کہ ان مدارس کے قیام و وجود کا سب سے اہم مقصد معاشرہ میں مسجد و مدرسہ کے ادارہ کو قائم رکھنا اور اسے رجال کار فراہم کرتے رہنا ہے جو کہیں اور سے فراہم نہیں ہو رہے اس لیے وہ اپنے نصاب کو اسی دائرہ میں محدود رکھنا چاہتے ہیں تاکہ دینی مدارس سے تیار ہونے والی کھیپ صرف ان کی اپنی ضروریات میں کھپتی رہے اور اس شعبہ سے افرادی قوت کا انخلاء اس انداز سے نہ ہو کہ معاشرہ میں مسجد و مدرسہ کا بنیادی ادارہ ضرورت کے افراد کی کمی کے باعث تعطل کا شکار ہونے لگے۔ ہمارے نزدیک ان دینی مدارس میں جدید سائنسی علوم کے داخلہ کا دروازہ بند رکھنے کی بنیادی وجہ یہی چلی آرہی ہے کہ جدید علوم اور مروجہ فنون سے آراستہ ہونے کے بعد کسی فاضل مسجد و مدرسہ کے ماحول میں محدود رکھنا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ہو جائے گا۔ جبکہ مسجد و مدرسہ کے نظام کو باقی رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک اچھی خاصی تعداد خود کو دوسرے تمام کاموں سے فارغ کر کے اسی کام کے لیے وقف کر دے اور اب تک کا تجربہ و مشاہدہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ دینی مدارس کے ارباب حل و عقد کی یہی "حکمت عملی" جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں دینی حمیت و وابستگی کو باقی رکھنے بلکہ اسے پوری دنیائے اسلام میں امتیازی حیثیت پر فائز کرنے کا باعث بنی ہوئی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دینی مدارس کے نظام و نصاب میں اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس وقت دینی مدارس میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے "سب اچھا" کہہ کر ہمیں خاموش ہو جانا چاہیے بلکہ دینی مدارس کے اس نظام و نصاب میں اصلاح کی ضرورت خود ان دینی مدارس کے سنجیدہ اکابر ایک عرصہ سے محسوس کر رہے ہیں اور اس کا اظہار بھی وقتاً" فوقتاً" ہوتا رہا ہے لیکن عملاً" یہ ہوتا ہے کہ اصلاح احوال کے لیے ان کی مخلصانہ آواز کو جب کچھ دوسرے حلقے "کیچ" کر کے اس کی آڑ میں اپنے مقاصد کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ آواز بھی وقتی طور پر مصلحت کے تحت دب جاتی ہے اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتی۔

اس پس منظر میں دینی مدارس کے نظام تعلیم میں اصلاح احوال کی ضرورت اور حکمت عملی پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں دینی مدارس کے تحفظات اور ان کے ارباب حل و عقد کے ذہنوں میں موجود خطرات و خدشات کو پوری طرح ملحوظ رکھنا ہوگا۔ چنانچہ اسی مجموعی تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ حالات میں دینی مدارس کے نظام و نصاب میں جن اصلاحات' ترامیم اور اضافوں کی ضرورت عام طور پر محسوس کی جا رہی ہے انہیں اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

۱۔ دینی مدارس میں مروجہ زبانوں پر اس درجہ کے عبور کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی کہ ایک فارغ التحصیل عالم دین کسی مسئلہ پر اپنا مافی الضمیر انگلش' عربی' یا کم از کم اردو میں ہی شستہ انداز میں قلم بند کر سکے یا اس کا زبانی طور پر کسی علمی محفل میں سلیقہ کے ساتھ اظہار کر سکے۔ اس لیے دینی مدارس میں ایسا نظام قائم کرنا انتہائی ضروری ہے کہ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں تحریری اور تقریری طور پر مافی الضمیر کے اظہار پر فضلاء کو دسترس حاصل ہو اور انگلش بھی کم از کم اس درجہ میں لازمی ہے کہ لکھی ہوئی چیز پڑھ اور سمجھ کر وہ اس کے بارے میں کسی بھی زبان میں اظہار خیال کر سکیں۔

۲۔ درس نظامی کے مروجہ نصاب میں تاریخ بالخصوص عالم اسلام کی تاریخ کے بارے میں کوئی قابل ذکر مواد موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے ایک فارغ التحصیل عالم دین عام طور پر تاریخی تسلسل اور اہم واقعات کی ترتیب تک سے بے خبر رہ جاتا ہے اور یہ بات خود دینی راہ نمائی کے تقاضوں کے منافی ہے۔

۳۔ دوسرے ادیان و مذاہب' معاصر فلسفہ ہائے حیات اور نظام ہائے زندگی کا تقابلی مطالعہ دینی مدارس کے فضلاء کے لیے انتہائی ضروری ہے اور موجودہ عالمی تہذیبی کشمکش کے پس منظر اور مرحلہ وار پیش قدمی سے بھی علماء کرام کا باخبر ہونا لازمی ہے ورنہ موجودہ عالمی تناظر میں اسلام کی صحیح ترجمانی کا فریضہ سرانجام دینا ممکن ہی نہیں ہے۔

۴۔ ملت اسلامیہ کے اندرونی فقہی مذاہب اور مسالک کی تاریخ اور جدوجہد کے ادوار سے واقفیت بھی ایک عالم دین کے لیے ناگزیر ہے لیکن مناظرانہ انداز میں نہیں بلکہ تعارف اور بریفنگ کے انداز میں تاکہ اصل تقابلی تناظر سامنے رہے اور اپنے فقہی مذہب اور مسلک کی خدمت کرتے ہوئے بھی شعور و ادراک کے ساتھ ایک عالم دین کا رشتہ استوار رہے۔

۵۔ دینی مدارس میں اس وقت مختلف علوم و فنون میں جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں وہ بہت مفید اور ضروری ہیں لیکن ان کتابوں کے لکھے جانے کے بعد کی صدیوں میں علوم و فنون میں جو نئی تحقیقات ہوئی ہیں اور ہر علم میں نئے نئے شعبوں اور ابواب کا اضافہ ہوا ہے ان سے علماء کرام کو لاتعلق رکھنا ان کے ساتھ سراسر زیادتی ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ انہی علوم و فنون میں نئی لکھی جانے والی مفید کتابوں کا انتخاب کیا جائے اور انہیں بھی شامل نصاب کیا جائے۔

۶۔ ہمارے ہاں درس نظامی میں عام طور پر کتاب کی تعلیم دی جاتی ہے جس سے طالب علم میں استعداد تو پیدا ہوتی ہے اور اس کی مطالعہ و استنباط کی صلاحیت میں اضافہ بھی ہوتا ہے لیکن اس کی نظر متعلقہ علم و فن کے وسیع تر تناظر اور افق کی بجائے کتاب کے دائرہ میں محدود ہو کر رہ جاتی ہے جبکہ علم و فن کے تمام پہلوؤں سے اس کی شناسائی نہیں ہوتی اس لیے طریق تدریس میں اتنی تبدیلی ضروری ہے کہ کسی علم یا فن کی ضروری کتابوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس علم و فن کے تعارف' تاریخ' ضروری مباحث اور جدید معلومات پر محاضرات کا بھی اہتمام کیا جائے تاکہ طلبہ اپنے اساتذہ کے علوم و مطالعہ سے زیادہ بہتر انداز میں فیض یاب ہو سکیں اور علوم و فنون کی فطری پیش رفت کے ساتھ بھی ان کا تعلق قائم رہے۔

۷۔ ہمارے ہاں نظری، فقہی اور فروعی مباحث میں ایک دوسرے کے نقطہ نظر کے احترام اور برداشت کا معاملہ خاصا ناگفتہ بہ ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ خالصتاً فروعی حتیٰ کہ اولیٰ غیر اولیٰ کے جزوی اختلافات بھی بحث و مباحثہ میں اس قدر شدت اختیار کر لیتے ہیں کہ کفر و اسلام میں معرکہ آرائی کا تاثر ابھرنے لگتا ہے۔ یہ صورت حال بہت زیادہ توجہ کی طالب ہے اور دینی مدارس کے ارباب حل و عقد کو اس سلسلہ میں سنجیدہ اقدامات کی ضرورت محسوس کرنی چاہیے۔

۸۔ ہمارے ہاں درس نظامی میں اساتذہ کی تربیت کا کوئی نظام و نصاب موجود نہیں ہے حالانکہ تمام نظام ہائے تعلیم میں اس کی ضرورت و افادیت مسلم ہے مگر درس نظامی کے مدارس میں عملاً یہ ہوتا ہے کہ اچھی استعداد اور ذوق رکھنے والا فاضل کسی نہ کسی مدرسہ میں تدریس کی جگہ حاصل کر لیتا ہے مگر اس کے بعد طلبہ کی ذہن سازی، تربیت اور ان کی فکری ترجیحات کے تعین میں وہ کسی اصول، ضابطہ و قانون اور متعین اہداف کا پابند نہیں ہوتا بلکہ یہ معاملات خالصتاً اس کے ذاتی ذوق اور رجحان پر منحصر ہوتے ہیں جس کے اثرات لازماً طلبہ پر بھی پڑتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ دینی مدارس کے وفاقوں کی سطح پر اساتذہ کی تربیت کے کورس طے کیے جائیں اور بتدریج اس سلسلہ کو اس طرح آگے بڑھایا جائے کہ کسی مدرسہ میں تدریس کا منصب حاصل کرنے کے لیے یہ کورس شرط سمجھا جانے لگے۔

۹۔ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی عمومی تعلیم کے ساتھ ساتھ آج کے دور میں یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی نظام حیات کو ایک مستقل مضمون اور باضابطہ نصاب کے طور پر پڑھایا جائے اور اسلامی احکام و قوانین پر فکر جدید کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات اور شبہات و شکوک کو سامنے رکھتے ہوئے طلبہ کو شعوری طور پر اسلامی نظام کی ترجمانی اور نفاذ کے لیے تیار کیا جائے۔

۱۰۔ ابلاغ عامہ کے تمام میسر ذرائع مثلاً پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور کمپیوٹر وغیرہ کے ساتھ دینی مدارس کے طلبہ و فضلاء کی اس درجہ کی شناسائی اور مہارت ضروری ہے کہ وہ ان کے استعمال کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں اور ان ذرائع سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والے کام کی نوعیت اور دائرہ کار کا ادراک کرتے ہوئے اس کے توڑ کے لیے کچھ نہ کچھ کردار ضرور ادا کر سکیں۔

۱۱۔ درس نظامی کے نصاب کی اس انداز میں درجہ بندی ہونی چاہیے کہ تمام طلبہ کے لیے قرآن و حدیث، فقہ اور عربی گرائمر کی یکساں ضرورت کی ایک حد متعین کر کے اس کے بعد طلبہ کی جداگانہ صلاحیتوں اور ذوق کا لحاظ رکھتے ہوئے مختلف علوم و فنون میں گروپ بندی کا اہتمام کیا جائے تا کہ ہر طالب علم اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق تعلیمی میدان میں آگے بڑھ سکے۔

۱۲۔ دینی مدارس کو اپنے اردگرد رہنے والے عام شہریوں بالخصوص سکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے لیے بھی مناسب اوقات میں مختصر کورسز کا اہتمام کرنا چاہیے جن کے ذریعے وہ ضروری عربی گرائمر کے ساتھ قرآن کریم کا ترجمہ اور ضروریات زندگی کے حوالہ سے حدیث و فقہ کا منتخب نصاب پڑھ سکیں۔

۱۳۔ دینی مدارس کے وفاقوں یا بڑے دینی مدارس کی سطح پر باصلاحیت اور ذہین فضلاء درس نظامی کے لیے تخصص کے ایسے کورسز کا اہتمام ضروری ہے جن کے ذریعہ انہیں مروجہ بین الاقوامی زبانوں مثلاً عربی، انگلش، فرنچ اور فارسی وغیرہ میں تحریر و گفتگو کی مہارت حاصل ہو۔ موجودہ عالمی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں اسلام کی دعوت، ترجمانی اور دفاع کے لیے تیار کیا جائے اور ان میں بریفنگ، لابنگ اور دفتری کام کی جدید ترین تکنیک کو سمجھنے اور اسے استعمال کرنے کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو۔

۱۴۔ طلبہ میں تحریر و تقریر اور مطالعہ و تحقیق کا ذوق بیدار کرنے کے لیے وفاقوں اور مدارس کی سطح پر خطابت اور مضمون نویسی کے انعامی مقابلوں کا اہتمام کیا جائے۔

یہ ان ضروریات اور تقاضوں کی ایک سرسری فہرست ہے جو مروجہ حالات میں دینی مدارس کے روایتی کردار کو زیادہ موثر بنانے اور انہیں اپنے پہلے سے طے شدہ اہداف و مقاصد سے قریب تر کرنے کے لیے ضروری سمجھے جا رہے ہیں لیکن اس کے لیے دینی مدارس اور ان کے وفاقوں کے ارباب حل و عقد کو آمادہ کرنے کے لیے کیا حکمت عملی اختیار کی جائے؟ اس ضمن میں چند عملی تجاویز پیش کر رہا ہوں

○ دینی مدارس کے نظام و نصاب میں ریاستی اداروں کی مداخلت کے امکانات کو یکسر مسترد کرتے ہوئے دینی مدارس کے آزادانہ کردار اور انتظامی و مالیاتی خود مختاری کے تحفظ کی جدوجہد میں ان کے ساتھ ہم آہنگی کا اظہار کیا جائے۔

○ دینی مدارس کے منتظمین کو یقین اور اعتماد دلایا جائے کہ اصلاح احوال کی یہ تجاویز ان کے بنیادی مقاصد و اہداف کا رخ تبدیل کرنے اور ان کے تحفظات کو مجروح کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان کے پہلے سے چلے آنے والے متعینہ مقاصد کے لیے ان کے کردار کو مزید موثر بنانے کی غرض سے پیش کی جا رہی ہیں۔

○ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے سرکردہ اصحاب علم و دانش کی ایک کمیٹی قائم کی جائے جو دینی مدارس کے مختلف وفاقوں کے ذمہ دار حضرات سے رابطہ قائم کر کے ان سے اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کرے۔

○ مختلف شہروں میں اس مقصد کے لیے خالص علمی اور فکری انداز میں مجالس مذاکرہ کا انعقاد عمل میں لایا جائے جن میں دینی مدارس کے سینئر اساتذہ کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی جائے۔

○ مختلف مکاتب فکر کے دینی مدارس کے الگ الگ وفاقوں کی جداگانہ حیثیت کا احترام کرتے ہوئے ان کے مابین رابطہ کار کے لیے ایک مشترکہ وفاق یا کم از کم مشاورتی بورڈ کے باضابطہ قیام کی کوشش کی جائے۔

○ بڑے دینی مدارس اور وفاقوں سے گزارش کی جائے کہ وہ دینی مدارس ہی کے پرانے اور تجربہ کار اساتذہ کے مذاکروں کا اہتمام کریں اور دینی مدارس کے نظام و نصاب کو مزید بہتر بنانے کے لیے ان سے تجاویز لے کر ان کی روشنی میں اپنی ترجیحات اور طریق کار پر نظر ثانی کا اہتمام کریں۔

مجھے امید ہے کہ اگر اس انداز سے سنجیدگی کے ساتھ کام کا آغاز ہو جائے تو ہم دینی مدارس کو ریاستی اداروں کی مداخلت کے خطرات اور بنیادی مقاصد سے انحراف کے خدشات سے محفوظ رکھتے ہوئے انہیں ان ضروری اصلاحات و ترامیم کے لیے تیار کر سکیں گے جو تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے عالمی حالات میں اسلام اور ملت اسلامیہ کے مفاد کے لیے دینی مدارس کے نظام و نصاب کو زیادہ موثر بنانے کے لیے ناگزیر ہو چکے ہیں۔

میں آپ سب حضرات کی طویل سمع خراشی پر معذرت خواہ ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ ان امور پر آپ جیسے ارباب علم و دانش کی گراں قدر آراء و تجاویز دینی مدارس کے مقاصد، مستقبل اور پہلے سے زیادہ موثر کردار کے لیے یقیناً مفید اور بار آور ثابت ہوں گی۔

ابو عمار زاہد الراشدی
سیکرٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل
خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

نوٹ: یہ مضمون ۳ اگست ۲۰۰۰ء کو اسلام آباد میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے زیر اہتمام دینی مدارس کے بارے میں منعقد ہونے والی مجلس مذاکرہ میں پڑھا گیا۔

متولی و منتظم	الشریعۃ اکیڈمی	زیر سرپرستی
مولانا زاہد الراشدی خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ	ہاشمی کالونی، کنگنی والا، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ	حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

☆ مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت اور مقامی بچوں کی دینی تعلیم کے لیے صبح و شام کلاس جاری ہے۔
☆ مسجد اور مدرسۃ البنات سمیت نو مزید کمروں پر مشتمل وسیع تہہ خانہ کی چھت ڈالی جا چکی ہے۔
☆ عمارت کی تیاری کا ضروری کام ملک گیر ہڑتالوں کے باعث رک گیا تھا جسے برسات کا موسم گزرنے کے بعد ستمبر میں دوبارہ شروع کرنے کا پروگرام ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔
☆ مسجد کے لیے طہارت خانہ اور وضو خانہ کے سامان کے علاوہ دروازوں، کھڑکیوں، بجلی کی وائرنگ کی فوری ضرورت ہے۔

اصحاب خیر سے بھرپور تعاون کی درخواست ہے، کسی روز خود موقع پر تشریف لائیں، ضروری کام کا جائزہ لیں اور تعمیراتی سامان یا نقد رقم کی صورت میں تعاون فرما کر کار خیر میں شریک ہوں۔

بذریعہ بینک زر تعاون بھجوانے والے دوست مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر میں رقم ارسال فرمائیں اور بذریعہ خط اطلاع دیں تاکہ اس کی باقاعدہ رسید بھجوائی جا سکے۔

ترسیل زر کے لیے	چیک یا ڈرافٹ بنام "الشریعہ" اکاؤنٹ نمبر 1260۔ حبیب بینک لمیٹڈ۔ تھانے والا بازار برانچ۔ گوجرانوالہ
رابطہ و معلومات کے لیے	حافظ محمد عمار خان ناصر، مرکزی جامع مسجد (شیرانوالہ باغ) گوجرانوالہ۔ فون: 219663